"انسان کا مرتبہ و مقام"

اسلام کی نگاہ میں

(نعیم صدیقی)

[مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو ایک مسیحی تنظیم "اخوت انڈیا سیلیہ" لاہور کی دعوت پر وائی ایم سی اے ہال میں یہ مضمون "میرا مذہب اور شخصیت انسانی کی قدر" کے زیر عنوان پڑھا گیا تھا۔ اب اسے نئے عنوان کے تحت اشاعت کے لیے دیا جا رہا ہے۔ میں نے ضروری حوالے حاشیہ میں درج کر دیئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مضمون اسلام کی بنیادی دعوت کو غیر مسلم جماعتوں تک پہنچانے میں مفید ذریعہ بن سکے گا۔ (ن۔ص)]

جناب صدر و برادران انسانیت!

میں نے خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر اپنی پوری زندگی جس مذہب انسانیت کے حوالے کی ہے اس کا نام ہے امن و سلامتی کا مذہب!

کسی بھی مذہب پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے دو ہی بنیادی حقیقتیں دیکھی جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس نے خدا کا تصور کیا دلایا ہے، دوسرے یہ کہ اس نے انسان کو کیا مقام دیا ہے؟ جہاں خدا کا تصور ناقص یا خلاف حقیقت ہو گا وہاں انسان بھی اپنے اصل مرتبہ و مقام سے ہٹا ہوا ملے گا۔ اور جہاں انسان کو اس کے شایان شان درجہ نہ دیا گیا ہو وہاں خدا کا تصور بھی صحیح اور مطابق حقیقت نہیں ہو سکتا۔ کسی مذہب کے تصور خدا کی کسوٹی اس کا تصور انسان ہے۔ چونکہ مذہب کا مقصود انسانی زندگی کو بنانا سنوارنا ہے۔ اس لیے مذاہب کی جانچ میں یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ انسان اور انسانی زندگی کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ آدمی کو جس نظام فکر و عمل کی طرف پکارا جائے اس کی خودی یہ دریافت کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے کہ اس نظام میں میرا مقام کیا ہے؟ مادی کائنات کے اسٹیج پر زندگی کی تمثیل پیش کرنے میں میرے لیے کیا پارٹ تجویز کیا گیا ہے؟ آفرینش کی اس بھری مجلس میں میری نشست کہاں ہے؟

میں نے جس مذہب انسانیت کا دامن تھاما ہے اس نے انسان کو سلطنت کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ[1] اور نمائندہ کی پوزیشن دی ہے۔ خدا کی اور ساری مخلوق اور رعیت اطاعت و عبادت کے ایک جبری ڈسپلن میں کسی ہوئی ہے[2]، لیکن نوع انسانی کو اخلاقی و تمدنی زندگی کے دائرے میں محدود خود مختاری (LIMITED AUTONOMY) سے نوازا گیا ہے۔ خدا نے اس نوع کو اپنی طرف سے ایک روح[3] ودیعت کی ہے، اپنی صفات کا ایک پرتو اس پر ڈالا ہے، علم و شعور کا ایک نور اسے دیا ہے[4] اور پھر ارادے کی فاعلانہ قوت دے کر اسے زندگی کی امتحان گاہ میں اتار دیا ہے۔ تمام اجرام اور اجسام اور عناصر اور قویٰ کو اس کی ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے اور بے شمار مادی ذرائع و وسائل اس کے چارج میں دے دیئے گئے ہیں[5]۔ پوری سہولتیں انسان کو پہنچا دی گئی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو بنائے سنوارے اور ترقی کے راستوں پر جتنا بڑھ سکتا ہو آگے بڑھتا جائے۔ خلافت و نیابت کا یہ مقام پا کر آدمی عزت نفس (SEFRESPECT) اور ذمہ دارانہ حیثیت کے احساس سے مالامال ہو جاتا ہے۔

میرا مذہب انسانی شرف کی دوسری بنیاد یہ سامنے لاتا ہے کہ انسان کو بہترین ساخت پر اٹھایا گیا ہے[6]۔ اس کی فطرت میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا گیا، اس کے خمیر میں کوئی برائی حل نہیں کر دی گئی، کوئی گناہ اس کے سر پیدائشی طور پر چپکا نہیں دیا گیا، بدی کا کوئی موروثی حساب ایسا نہیں ہے جو نسلاً بعد نسل ایک ایک آدمی زاد کے کھاتے میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہو۔ ایک بے داغ فطرت ہے جس کے اندر زندگی کے مختلف رجحانات اور تقاضوں کو اعتدال اور توازن کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ یہ آزادانہ فیصلہ کے تحت اقدام کرنے والی فطرت ہے جس پر نہ نیکی زبردستی ٹھونسی جاتی ہے

---

[1] انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ (البقرہ۔ ۳۰)۔

[2] ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون۔ (آل عمران۔ ۸۳)

[3] ونفخت فیہ من روحی۔ (الحجر۔ ۲۹۔ ص ۷۲)

[4] وعلم آدم الاسماء کلھا۔ (البقرہ۔ ۳۱)

[5] وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ (الجاثیہ۔ ۱۳)

[6] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (التین۔ ۴)

نہ برائی جبراً ہیکی جاتی ہے۔ اس معنی میں انسان کی ساخت بہترین ساخت ہے۔ انسانی فطرت کا یہ تصور جب میرے سامنے آتا ہے تو اپنے اوپر میرا اعتماد قائم ہوتا ہے اور نوعِ انسانی کا شرف و وقار میری نگاہوں میں بہت بڑھ جاتا ہے۔

انسانی زندگی کی بہترین ساخت ہی کو نمایاں کرنے کے لیے میرے مذہب نے انسانِ اول کی سرگذشت بیان کی ہے۔ جنت میں پہلی نسل کا دور گذارتے ہوئے اس سے جو لغزش ہوئی تھی، اس کے بارے میں میرے مذہب کا بیان یہ ہے کہ ایک تو وہ دیدہ دانستہ نہ تھی بلکہ غلط فہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے سرزد ہوئی، دوسرے اس کے اندر زیادہ اونچے مراتب اور ابدی زندگی پانے کا اعلیٰ مقصد کار فرما تھا۔[1] تیسرے یہ کہ لغزش پر باغیانہ اکڑ پیدا ہونے کے بجائے اس کے فوراً ہی بعد احساسِ ندامت ہوا اور آدم اپنی زوجہ سمیت خدا کے سامنے معافی کے خواستگار بن کر حاضر ہو گئے۔[2] اختیار کے استعمال کے اس پہلے تلخ تجربے کے بعد اولین انسانی جوڑا ابدی کی شیطانی طاقتوں کے بارے میں پوری طرح چوکنا ہو گیا اور ایک پاکیزہ زندگی کی تعمیر کا نیا عزم لے کر میدانِ مقابلہ میں اتر گیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک با اختیار مخلوق کے لیے اس سے زیادہ اونچی فطرت کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اپنا فرض ادا کرنے میں اگر کبھی اس سے بھول چوک ہو جائے تو وہ اس کا احساس کرے اور پھر اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔

میرے مذہب کی تعلیم کی رُو سے انسانی شرف و عظمت کا اتنا پاس کیا گیا ہے کہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہمیشہ خود انسان ہی ذریعہ بنائے گئے۔ آدمؑ سے ابراہیم علیہ السلام تک اور ابراہیم علیہ السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو ہزارہا پیغمبر اور رسول قوم قوم اور دیس دیس میں ہماری تعلیم و تربیت کے لیے مامور کیے گئے وہ سب کے سب گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہی تھے۔ اس کام کے لیے نہ تو خدا کو خود اتر کے آنا پڑا، نہ فرشتے ہی مقرر کیے گئے اور نہ کسی دوسری مخلوق کو یہ منصب دیا گیا!

پھر دیکھیے کہ میرے مذہب کا خطاب کسی ایک گروہ اور نسل اور قوم کے لیے خاص نہیں ہوا بلکہ وہ ساری انسانیت کے لیے عام ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بنی نوعِ انسان ایک گھرانا اور ایک برادری ہیں۔[3] اس نے کسی خاص

---

[1] فوسوس لهما الشيطان . . . وقال ما نهٰكما ربكما عن هٰذه الشجرة الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخٰلدين۔ (الاعراف۔ ۲۰) [2] قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخٰسرين (الاعراف۔ ۲۳)

[3] كان الناس امة واحدة (البقرہ ۲۱۳)

عنصر کو اپنا چہیتا اور لاڈلا بنا کر نہیں پکارا، بلکہ "اے انسان" اور "اے لوگو!"[1] کہہ کر ساری اولادِ آدم کو سچائی اور نیکی کا پیغام یکساں سنایا ہے۔ وہ سورج اور ہوا اور بارش کی طرح اپنا فیضان عام رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کے مقابلے میں اور کسی چیز کو وجہِ احترام نہیں مانتا۔ وہ ان ساری تقسیموں سے انکار کرتا ہے جو انسان اور انسان کو آپس میں کاٹتی اور ان میں چھوٹی اور بڑی اونچ نیچ پیدا کرتی ہیں۔ وہ ایک ہی تقسیم کو مانتا ہے اور عزت و ذلت کا ایک ہی معیار تسلیم کرتا ہے یعنی کون سچائی اور نیکی میں آگے ہے اور کون پیچھے ہے[2]۔ حد یہ کہ وہ مذہبی جتھا بندیوں اور ان کے نمائشی سائن بورڈوں کو بھی کوئی وزن نہیں دیتا[3]، بلکہ جو لوگ خود اس کا اپنا ٹھپہ ماتھے پر لگا کے آتے ہیں انہیں بھی وہ مجرد ظاہری ٹھپے کی بنا پر قابلِ قدر نہیں مانتا۔ وہ صرف یہ پوچھتا ہے کہ تم چاہے گورے ہو چاہے کالے، تم چاہے سامی ہو یا حامی، تم چاہے مرد ہو یا عورت، بتاؤ کہ سچا ایمان اور کھرا کردار کس کے پاس ہے! وہ یہاں تک کہتا ہے کہ جس نے انسانیت کو کاٹنے والی جاہلی عصبیتوں کا نعرہ بلند کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں[4]۔

میرا مذہب انسان کی فطرت سے حسنِ ظن رکھتا ہے، اس کے دل و دماغ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے فطری حقِ خودارادیت کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی بات جبر و اکراہ سے نہیں منواتا، بلکہ اس کی عقل کے سامنے سوچنے اور سمجھنے کے لیے سارا مواد رکھ دیتا ہے اور صاف صاف سنا دیتا ہے کہ عقیدے اور مذہب کے بارے میں کسی کو کسی پر زبردستی کرنے کا حق نہیں[5]۔ وہ پیچ در پیچ عقیدوں کی بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا، وہ کچھ انوکھے نظریوں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کرتا، وہ شعبدوں سے مسحور نہیں کرتا اور دماغی کشتیوں کے دنگل جما کر لوگوں کو مغالطوں میں نہیں ڈالتا بلکہ سیدھا سیدھا افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتا ہے[6]۔ وہ زندگی کے

---

[1] یا ایہا الانسان (الانفطار ۶ - الانشقاق ۶) یا ایہا الناس (البقرہ ۲۱ - ۱۶۸ - النساء ۱ - ۱۷۰ - ۱۷۵ - یونس ۵۷ - ۱۰۴ - ۱۰۸ - الحج ۱ - ۵ - ۴۹ - السجدہ ۳۳ - فاطر ۳ - ۵ - ۱۵ - الحجرات ۱۳)

[2] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات ۱۳) لیس لاحد فضل علی احد الا بدین او عمل صالح (الحدیث، مسند امام احمد)

[3] ان الذین امنوا والذین ... من امن باللہ والیوم الآخر فلهم اجرهم عند ربهم (البقرہ ۶۲)

[4] من قاتل تحت رایة عمیة یغضب لعصبیة او یدعو الی عصبیة او ینصر عصبیة فقتل فقتلة جاهلیة (مسلم، نسائی)

[5] لا اکراه فی الدین (البقرہ ۲۵۶) — [6] قد بینا لکم الآیات لعلکم تعقلون (الحدید ۱۷)

دوراہے پر کھڑے ہو کر آدمی کو حق اور باطل کے دونوں راستوں سے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ جی چاہے تو اُس ہاتھ مڑو اور جی چاہے تو اِس ہاتھ اقدام کرو[1]۔ میرا مذہب دنیا کے ہر سیاسی نظام کی طرح سیاست کے دائرے میں بلاشبہ قوت کا استعمال کرتا ہے، لیکن عقیدہ و مذہب کے دائرے میں وہ دلیل کے سوا کسی دوسری طاقت کی ایک رمق بھی استعمال نہیں کرتا۔ یہ انسانی اختیار کا احترام ہے اور اس کی آزادیٔ ضمیر کی پاسبانی ہے۔ بخلاف اس کے اگر کسی مذہب نے لٹھ چلا کر بات منوانے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو وہ گویا انسانی شرف و احترام کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔

میں اپنے مذہب سے اس لیے بھی محبت کرتا ہوں کہ یہ مجھے ایک خدا کی بارگاہ پر پہنچا کر دوسری تمام بارگاہوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے سامنے ایک ہی مرکزِ روح ایسا رکھتا ہے جس کے سامنے سجدۂ عبادت بھی گزارنا ہے، جس کے آگے دامنِ دعا بھی پھیلانا ہے[2] اور جس سے پوری کی پوری زندگی کی ہدایت اور ضابطہ اور قانون بھی لینا ہے[3]۔ یہاں مذہب اور دنیاداری کی تقسیم نہیں، یہاں خدا اور قیصر کے درمیان کوئی بٹوارہ نہیں، یہاں پبلک اور پرائیویٹ دو زندگیاں نہیں۔ ایک ہی زندگی ہے اور اس کا ایک ہی مالک و فرمانروا ہے۔ یہ تصورِ توحید انسان کو خودداری اور شرف کے اونچے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ خدا اور انسان کے درمیان یہاں کوئی پردہ اور روک حائل نہیں، یہاں بیچ میں کوئی واسطہ اور سفارشی اور وکیل نہیں، یہاں مذہبی اجارہ داروں کے کسی طبقہ کی اتھارٹی نہیں چلتی، یہاں پروہتوں اور پجاریوں کی مسندیں راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ یہاں خدا اپنے بندوں کو پکار پکار کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں[4]، میں تمہارے قریب ہوں[5]، مجھ سے براہِ راست رابطہ پیدا کرو۔ یہ تصورِ توحید انسان کو خدا سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ اس کی قدر و قیمت خود اپنی نگاہوں میں بہت بڑھ جاتی ہے۔

میرا مذہب آدمی کو ایسی مذہبی زندگی میں نہیں ڈالتا جو اسے ذلت و کہتری کے احساس میں مبتلا کر دے۔ وہ

---

[1] فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ (الکہف۔ ۲۹)

[2] ایاک نعبد وایاک نستعین۔ (الفاتحہ۔ ۴)

[3] اِنّ ھدی اللّٰہِ ھو الھُدیٰ۔ (الانعام۔ ۷۱)

[4] ھو معکم این ما کنتم (الحدید۔ ۴)۔ [5] واذا سألک عبادی عنی فانی قریب (البقرہ۔ ۱۸۶)

اسے ایک مضحکہ اور تماشا نہیں بناتا۔ وہ اسے گندا اور ننگ دھڑنگ رہنا نہیں سکھاتا، وہ اسے اپنے دور سے پیچھے گھسٹتے رہنے کا درس نہیں دیتا۔ وہ نہیں کہتا کہ خدا کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کی ساری ذمہ داریوں کو تج کر جنگلوں میں ٹکریں مارتے پھرو، وہ نہیں سکھاتا کہ نیک بننے کے لیے آدمی کو تمدنی فرائض سے بھاگ کر عبادت گاہ کی تاریک کوٹھری میں چشم و گوش بند کر کے پڑ رہنا چاہیے[1]۔ بخلاف اس کے میرا مذہب متمدن انسان کا مذہب ہے۔ وہ اسے صاف ستھرا، خوش ذوق اور خوش پوش[2]، دنیا کے کاموں میں مصروف[3]، تمام انسانی رشتوں کے حق ادا کرتا ہوا[4]، معاشی جدوجہد میں سرگرم[5]، علم و فکر کے لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن[6]، اور مشکلات اور رکاوٹوں کے خلاف مصروفِ جہاد دیکھنا چاہتا ہے[7]۔ وہ صرف یہ تقاضا کرتا ہے کہ ساری اجتماعی سرگرمیاں خدا کے مقرر کردہ اخلاقی و قانونی حدود کے اندر رہنی چاہئیں[8]۔ ظاہر ہے کہ اس تصورِ مذہب کے تحت انسان کو اپنی قدر و منزلت کا ایک نیا احساس حاصل ہوتا ہے۔

میرے مذہب انسانیت میں انسانی جان کا احترام نظامِ تمدن کی ایک اہم بنیاد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس کسی نے کسی ایک انسانی جان کو بھی قانونی حق کے بغیر ہلاک کیا اس نے گویا ساری انسانیت کو ہلاکت کے خطرے میں ڈال دیا[9]۔ اس معاملے میں میرا مذہب اتنا حساس ہے کہ اگر اس کا کوئی بڑے سے بڑا ماننے والا اس مذہب کے کسی مخالف کو بھی ناحق قتل کر دے تو وہ اس اپنے آدمی کے خلاف قانونی کارروائی پوری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جان کے بعد دوسرے درجے پر میرے مذہب میں انسانی ملکیت کا احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور کسی

---

[1] رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم (الحديد-۲۷) "المسلم الذي يخالط الناس ويصبر على ما اذاهم" (ترمذی)

[2] قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبت من الرزق (الاعراف-۳۲)۔

[3] لا تنس نصيبك من الدنيا (القصص-۷۷)۔

[4] وبالوالدين احسانا وبذي القربى واليتمى والمسكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم (النساء-۳۶)

[5] وابتغوا من فضل الله (الجمعة-۱۰) [6] اطلبوا العلم ولو كان بالصين وطلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة (مشہور حدیث)

[7] احرص على ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز (الحديث) رياض الصالحين۔ باب في المجاهدة۔

[8] والحافظون لحدود الله (التوبة-۱۱۲)۔

[9] من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا (المائدة-۳۲)۔

بڑی سے بڑی طاقت کی مجال نہیں کہ اس کے نظام میں کسی دوسرے کا ایک تنکا بھی ناروا طور پر سرکے[1]۔ اسی طرح بلا امتیاز وہ ہر انسان کی عزت و عصمت کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ پھر وہ رائے اور خیال کی آزادی کے حق کا پاسبان ہے اور ایک ایک فرد کے لیے وہ کوئی رائے رکھنے اور اسے ظاہر کرنے کا، کسی عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق مذہبی عبادات و مراسم بجالانے کا، اور حکمران طاقت سے اختلاف کرنے اور اس پر تنقید کرنے کا پورا پورا حق تسلیم کرتا ہے۔ انسانی آزادی کا اسے اس حد تک احترام ملحوظ ہے کہ وہ باضابطہ قانونی کارروائی کے ذریعے جرم ثابت ہوئے بغیر کسی شخص کو قید کرنے، یا اس کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں دیتا[2]۔ پھر وہ بلا امتیاز تمام انسانوں کو قانون کی نگاہ میں ایسی معیاری مساوات عطا کرتا ہے کہ ایک معمولی شہری اور صدر حکومت کو اس نے عالم واقعہ میں ایک سطح پر لا کھڑا کیا[3]۔ پھر میرا مذہب اپنے ماننے والوں کے منظم معاشرہ کو ایک ایسا نظام معیشت قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے جو سارے نسلی اور مذہبی امتیازات سے بالاتر ہو کر محتاج اور ضرورت مند کو سہارا بہم پہنچائے[4]۔ چنانچہ میرے مذہب کے ماننے والے ایک مثالی حکمران نے ایک مرتبہ ایک بڈھے عیسائی کو بھیک مانگتے دیکھا تو ماتحت کارکنوں کو ڈانٹا اور اسی لمحے سرکاری خزانے سے اس کے نام وظیفہ جاری کرنے کی ہدایت دی[5]۔ پھر انسانی احترام کی یہ حد ہے کہ اپنے دشمن سے میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے بھی میرا مذہب مجھے اس سے روکتا ہے کہ میں عورتوں اور بڈھوں اور بچوں اور عام شہری آبادی پر ہاتھ اٹھاؤں، کسی کا چہرہ مسخ کروں اور کسی کی نعش کی بے حرمتی کروں[6]۔

---

[1] ولیس للامام ان یخرج شیئاً من احد الا بحق ثابت معروف (کتاب الخراج ص ۶۰)

[2] لا یوسر رجل فی الاسلام بغیر العدول (قول عمرؓ۔ موطا۔ باب الشرط الشاہد)

[3] یا علی اذا جلس الیک الخصمان فلا تقض بینھما حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول (الحدیث) ابوداؤد، ترمذی

[4] وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریات ۱۹)

[5] الفاروق جلد دوم ص ۲۱۲۔ بحوالہ کتاب الخراج ص ۷۲

[6] نھی رسول اللہ صلعم عن قتل النساء والصبیان (السنن الکبریٰ النسائی)۔ اذا قاتل احدکم فلیجتنب الوجہ (الحدیث) "نھی رسول اللہ صلعم عن قتل الصبر (الحدیث ابوداؤد)" نھی رسول اللہ صلعم عن النھبیٰ والمثلۃ (الحدیث۔ بخاری)

میرا مذہب انسانوں کی خدمت کا ایک وسیع پروگرام میرے سامنے رکھتا ہے اور دوسروں کے بہت سارے حقوق میرے اوپر عائد کرتا ہے۔ رشتہ داروں میں سے والدین درجۂ اول پر آتے ہیں اور چاہے وہ میرے مذہب کے ماننے والے ہوں یا مخالف ہوں، ہر حال میں ان کی خدمت اور ان کا ادب مجھ پر واجب ٹھیرایا گیا ہے ان کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے قرابت داروں کی بھلائی چاہنا میرے اوپر لازم ہے۔ عام انسانی برادری میں سب سے پہلا مرتبہ پڑوسی کا ہے۔ میرا مذہب کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں پیٹ بھر کر سوئے کہ اس کا پڑوسی فاقہ میں مبتلا ہو تو ایسے شخص کا دین و ایمان بالکل بے معنی ہے[1] اسی طرح میرے مذہب میں اس شخص کا ایمان معتبر نہیں جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی پریشان رہے[2]۔

میرے مذہب نے سچائی اور نیکی کا تاریخی معیار ہی انسانوں کے بھلے کو قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تاریخ میں اسی نظریہ و مسلک کا چلن ہوتا ہے اور وہی روایات اور قدریں زندہ رہتی ہیں جو انسانیت کی خیر و فلاح کا ذریعہ ہوں۔ باقی جو کچھ ہے وہ کھوٹ میل ہے جسے تاریخ کی کٹھالی جلا کر راکھ کر دیتی ہے[3]۔

میرا مذہب گھر کی چار دیواری سے لے کر حکومت کے ایوان تک اور اندرونِ ملک کے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سرگرمیوں تک مجھے انسانیت دوستی کی روح سے بھرا ہوا ایک وسیع نصب العین دیتا ہے وہ مجھ سے چاہتا ہے کہ میں اپنی زبان، اپنے ہاتھ پاؤں، اپنے دماغ، اپنے قلم، اور اپنے روپے پیسے کی ساری قوتیں اس مہم میں لگا دوں کہ سچائی اور نیکی کا پیغام ہر انسان تک پہنچے[4] اور جھوٹ اور ظلم اور برائی اور فساد کا زور ٹوٹ جائے[5]۔

---

[1] لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ (الحدیث، مشکوٰۃ)۔

[2] واللہ لا یومن الذی لا یامن جارہ بوائقہ (الحدیث، ریاض الصالحین۔ باب حق الجار)۔

[3] فاما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ (الرعد۔ ۱۷)

[4] کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران۔ ۱۱۰)۔

[5] وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ (الانفال۔ ۳۹)۔

وہ اس پر مطمئن نہیں ہوتا کہ میں ذاتی حد تک کچھ جزوی نیکی کو سینے سے لگائے بدی کے اجتماعی ماحول میں امن چین سے پڑا رہوں، بلکہ وہ مجھ سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے دوسرے لاکھوں بھائیوں کی بھلائی کے لیے کسی بھی فاسد نظام کے خلاف تبدیلی کی جدوجہد کروں[1]۔ اس مہم میں میرا مذہب مجھے یہ سکھاتا ہے کہ انسانی بھلائی کے کسی بھی نیک کام کے لیے میں بغیر کسی تعصب کے ہر انسانی جماعت سے تعاون کروں اور انسانوں کی بھلائی کے خلاف پڑنے والے غلط کاموں میں کسی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی کا بھی ساتھ نہ دوں[2]۔ اس مہم کی بنیاد میرے مذہب نے خالص انسانی محبت و اخوت کے جذبے پر رکھی ہے۔

حضرات! ان چند مختصر اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میرے مذہب نے انسان کو کیا مقام دیا ہے۔ بس خاتمۂ کلام کے طور پر میں ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ میرا مذہب اُن محدود معنوں میں مذہب نہیں ہے جن میں یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک دین یا ایک نظامِ زندگی ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی جامد فرقہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک متحرک پارٹی تشکیل پاتی ہے۔ وہ کوئی مذہبی مشن نہیں کھڑا کرتا بلکہ ایک بین الانسانی تحریک برپا کرتا ہے، وہ مجرد وعظ نہیں سناتا، عملی مسائل کو اپنے ہاتھ سے حل کرنا چاہتا ہے، وہ کسی سے تبدیلِ مذہب نہیں چاہتا بلکہ ذہن و کردار کی مکمل تبدیلی مانگتا ہے، اس کا منتہا چند پاکباز افراد پیدا کر دینا نہیں، وہ نیکی کا ایک جہانی نظامِ سیاست و تمدن وجود میں لانا چاہتا ہے۔

---

[1] ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (الصف۔۹)

[2] تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدہ ۲۰)

پاکستان اور امریکی دستور

نعیم صدیقی

(۳)

حکومت اور عوام کے درمیان توازن: امریکی دستور میں دیکھنے کی ایک ہی چیز نہیں کہ اس میں کانگریس یا صدر یا ریاستی ایوانوں کو کتنے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ ان وسیع اختیارات کے بالمقابل اگر ترازو کے دوسرے پلڑے پر عوام کے حقوق کو رکھا جائے تب ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے کہ دستور نے کس حد تک توازن پیدا کیا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی اور فرانسیسی دستور پر اظہار رائے کرتے ہوئے دستوریات کا ایک عالم جی۔ ایف اسٹرانگ کہتا ہے کہ یہ اولیں تحریری دستور ہیں جنہوں نے "آزادی اور اختیار یا انسانی حقوق اور قائم شدہ حکومت کو باہم دگر ہم آہنگ کرنے کا قریب ترین راستہ دریافت کر دکھایا۔"

حکومت کے پہلو سے دیکھیں تو وہ کامل حاکمیت کی امانت دار ہونے کے باوجود ہر ادارے اور ہر شعبے میں متعین اور محدود اختیارات (DEFINITE & LINITED POWERS) رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صدارت کے منصب اور کانگریس اور ریاستوں کے ایوانوں کے لیے مدت کار (TENURE) مقرر ہے۔ دستور ایک فیصلہ کن طاقت کی حیثیت سے حکومت اور عوام کے درمیان پاسبان بن کر کھڑا ہے۔ عوام کے پہلو سے دیکھیں تو ان کے لیے وسیع حقوق متعین ہیں جن میں کوئی منصب یا ادارہ مداخلت نہیں کر سکتا۔

امریکی عوام کے دستوری حقوق کا مطالعہ کرتے چلیں تو ہمیں سب سے پہلے "اعلان آزادی" پر ایک نگاہ ڈال لینی چاہیے جس کے الفاظ اور ان کے اندر کام کرنے والی روح بول کے بتا دیتی ہے کہ حکومت کے مقابلے میں عوام کو کیا کچھ ملنا چاہیے۔